رفع تعارض کے اصول

ڈاکٹر حافظ عبداللہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب لاہور

تعارض کا مفہوم

تعارض کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مسئلہ کے بارے میں ایک دلیل کسی ایک حکم کی متقاضی ہواور دوسری دلیل اسی مسئلہ کے بارے میں دوسرا حکم چاہتی ہو اور دونوں متناقض ومتضاد ہوں ۔ان معنی میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں تعارض کا پایا جانا ناممکن ہے اس لیے کہ کتاب اور سنت دونوں وحی پر مبنی ہیں ۔ایک وحی متلو ہے اور دوسری وحی غیر متلو ۔ دونوں من جانب اللہ ہیں اور اللہ تعالی اس عیب سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں کو متناقض اورمتعارض احکام کا مکلف بنائے اس لیے کہ کسی کے کلام میں تعارض وتناقض کا پایا جانا عجز کی علامت ہے یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص غیر متناقض دلیل لانے سے عاجز اور معارضہ سے سالم دلیل لانے سے قاصر ہو اور یہ عجز اس بات پر مبنی ہے کہ یہ شخص انتہائی حقیقتوں سے جاہل ہے۔ جبکہ اللہ تعالی کی ذات اس جہل اور عجز سے منزہ ہے لہذا کتاب وسنت میں حقیقی تعارض کا پایا جانا محال ہے ۔

حقیقی تعارض کے محال ہونے کے باوجود مجتہدین کی رائے اور ان کی نظر کے اعتبار سے ظاہری تعارض محال نہیں ہے یہ ممکن ہے کہ ایک مجتہد ظاہر میں یہ سمجھے کہ کسی مسئلہ میں ایک دلیل دوسرے کے مخالف ہے اور اس کا یہ سمجھنا اس کے فہم اور علم کی کمی کی وجہ سے ہو یا مسئلہ کے تمام دلائل اور پہلوؤں سے نا واقفیت کے سبب ہو اس لیے اس کے نزدیک یہ تعارض ظاہر میں ہوتا ہے نہ کہ حقیقت میں۔

علامہ بزدوی فرماتے ہیں:

"وهذه الحجج التی ذکرنا وجوهها من الکتاب والسنة لا تتعارض فی انفسها وضعا ولا تتنا قض لان ذلک من امارات العجزالحدث تعالی الله عن ذلک وانما یقع التعارض بینما لجهلنا بالناسخ من المنسوخ"(۱)

"یہ دلائل جن کی وجوہ کا ذکر ہم نے کتاب و سنت سے کیا اپنی ذات میں متناقض و متعارض نہیں ہیں۔ کیونکہ تناقض تو عجز کی علامتوں میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند ہے ان میں تعارض کا وقوع ہمارے ناسخ سے عدم علم کی وجہ سے ہوتا ہے۔"

علامہ عبدالعزیز بخاری شرح میں فرماتے ہیں:

"ای التعارض والتناقض من علامات العجز لان من اقام حجة متناقضة علی شی کان ذلک لعجزه عن اقامةحجة غیرمتناقضة وکذا اذا اثبت حکما بدلیل عارضه دلیل آخر یوجب خلافه کان ذلک لعجزه عن اقامة دلیل سالم عن المعارضة،والله تعالی یتعالی عن ان یوصف به ، وانما یقع التعارض بین هذه الحجج

والتناقض ای التناقض الذی استلزمه التعارض لجهلنا بالناسخ والمنسوخ فان احدهما لابد من ان یکون متقدمافیکون منسوخابالمتاخر فاذا لم یعرف التاریخ لا یمکن التمییزبین المتقدم والمتاخر فیقع التعارض ظاهرا بالنسبۃالینا من غیر ان یتمکن التعارض فی الحکم حقیقۃ''(۲)

''یعنی تعارض و تناقض تو عجز کی علامات میں سے ہے اس لئے کہ جو کوئی کسی مسئلہ میں متناقض دلیل قائم کرتا ہے تو وہ تناقض سے پاک دلیل لانے سے عجز کے باعث کرتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی حکم ایسی دلیل سے ثابت ہو جس سے متناقض دلیل بھی موجود ہو تو یہ دلیل لانے والے کے عجز کی علامت ہے کہ وہ معارضہ سے سالم دلیل لانے سے قاصر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند ہے کہ وہ ایسی صفت سے متصف ہو۔ ان دلائل میں تعارض و تناقض ہمارے ناسخ و منسوخ سے جہل کے باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں (دلیلوں) میں سے جو پہلے ہو گی تو وہ لازماً بعد والی سے منسوخ ہو گی۔ لیکن جب نزول کی تاریخ معلوم نہ ہو تو دلائل کے بارے میں یہ تعیین ممکن نہیں رہتی کہ ان میں سے کون سی متقدم ہے اور کونسی متاخر ۔ اس لئے ہمارے لحاظ سے ظاہری تعارض پیدا ہوجاتا ہے نہ یہ کہ کسی حکم میں حقیقی تعارض موجود ہوتا ہے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں :

''اعلم بان الحجج الشرعیۃمن الکتاب والسنۃلا یقع بینھما التعارض والتناقض وضعاء لان ذلک من امارات العجز واللہ یتعالی عن ان یوصف بہ ، وانما یقع التعارض لجھلنا بالتاریخ فانہ

يتعذر به علينا التمييزبين الناسخ والمنسوخ، الا ترى ان عند العلم بالتاريخ لا تقع المعارضة بوجه ولكن المتاخر ناسخ للمتقدم ، فعر فنا ان الواجب فی الاصل طلب التاريخ ليعلم به الناسخ من المنسوخ ، واذا لم يوجد ذلک يقع التعارض بينهما فی حقنا من غير ان يتمكن التعارض فيما هو حكم الله تعالى فی الحادثة"(۳)

"جان لو کہ دلائل شرعیہ، کتاب و سنت، میں ان کی ذات کے لحاظ سے کوئی تعارض و تناقض نہیں ہوتا۔ کیونکہ تعارض و تناقض کا ہونا عجز کی علامات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند ہے کہ وہ اس سے متصف ہو۔ اور یہ تعارض محض ہمارے نزول کی تاریخ سے عدم علم کے باعث ہوتا ہے اس لئے ہمارے لئے ناسخ ومنسوخ میں تمیز کرنا ممکن نہیں رہتا۔ تاریخ نزول جان لینے کے بعد تعارض باقی نہیں رہتا کیونکہ بعد میں آنے والی پہلی کی ناسخ ہوتی ہے۔"

پس ہم نے جان لیا کہ درحقیقت ضروری یہ ہے کہ ناسخ و منسوخ کو جاننے کے لئے تاریخ نزول کا علم حاصل کیا جائے اور جب تاریخ نزول کا علم نہیں ہوتا تو ہمارے لئے دو دلائل کے درمیان واقع ہو جاتا ہے۔ نہ یہ کہ تعارض کسی واقعہ سے متعلق اللہ کے حکم میں حقیقتاً واقع ہوتا ہے۔

علامہ نسفی بھی فخر الاسلام کے اتباع میں فرماتے ہیں :

"اعلم ان الحجج الشرعية التى سبق ذكرها من الكتاب والسنةلا يقع بينهماالتعارض والتناقض حقيقة ، لان ذلک من امارات العجز، والله تعالى يتعالى عن ان يوصف بالعجز، وانما

يقع التعارض فيما بيننا لجهلنا بالناسخ من المنسوخ، ولجهلنا بالتاريخ حتى اذا علم التاريخ لا يقع المعارضة بوجه، ولكن اللاحق ناسخ للسابق" (۴)

''جان لو کہ ہم نے پہلے دلائل شرعیہ، کتاب و سنت کا ذکر کیا ان میں حقیقتاً تعارض و تناقض واقع نہیں ہوتا کیونکہ یہ عجز کی علامات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند ہے کہ وہ عجز سے متصف ہو۔ تعارض کا وقوع ہمارے لئے ، ناسخ ومنسوخ اور تاریخ نزول سے عدم علم کے باعث ہوتا ہے۔ جب تاریخ نزول کا پتا چل جاتا ہے تو تعارض نہیں رہتا۔ کیونکہ بعد میں آنے والی دلیل پہلی کی ناسخ ہوتی ہے۔''

تعارض حقیقی اخبار اور امر ونہی دونو ں میں محال ہے ۔صورت اول میں کذب لازم آتا ہے اور صورت ثانی میں بندوں کے لیے تکلیف مالا یطاق ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان دونوں عیوب سے منزہ ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں :

"اعلم ان التعارض هو التناقض، فان كان فی خبرين فاحدهما كذب والكذب محال على الله ورسوله وان كان فی حكمين من امر ونهی وحظروا اباحة فالجمع تكليف محال" (۵)

''جان لو کہ تعارض ہی تناقض ہے۔ یہ اگر دو خبروں میں ہو تو ان میں سے ایک جھوٹ ہو گی اور جھوٹ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے محال ہے اور اگر دو حکموں میں امر و نہی اور ممانعت و اباحت کا ہو تو ان دونوں کا مکلّف قرار دینا تکلیف اور محال ہے۔''

علماء اصول نے کتاب وسنت کی نصوص پر عمیق غور وفکر اور ادلہء شرعیہ کے تتبع

واستقراء کے بعد اس ظاہری تعارض کے رفع کے لیے کچھ قواعد واصول اخذ کیے ہیں اور کتب اصول میں ان کو مفصل بیان کیا ہے۔

اس بحث میں صرف رفع تعارض کے ان قواعد واصول سے بحث کی جائے گی جو قرآن کے قرآن سے تعارض اور قرآن وسنت کے باہمی تعارض سے متعلق ہیں۔

تعارض کے لغوی معنی

تعارض کا مادہ ''عرض'' ہے اور یہ مادہ لغت میں متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے جیسے چوڑائی طول کے خلاف۔

امام راغب فرماتے ہیں:

''العرض:خلاف الطول،واصله ان یقال فی الا جسام ،ثم یستعمل فی غیرھا کما قال : (فذودعاعریض) (فصلت ۵۱)''

اس کے معنی ''المنع ''یعنی آڑ بنانے کے بھی آتے ہیں

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

''ولا تجعلو اللہ عرضۃلا یمانکم ان تبرو ا وتتقوا''(۷)

''اور اللہ کے نام کو اس بات کا حیلہ نہ بناؤ کہ اس کی قسمیں کھا کھا کر سلوک کرنے اور پرہیز گاری کرنے سے رک جاؤ۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ثم عرضھم علی الملا ئکۃ''(۸)

''پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا۔''

تعارض باب تفاعل سے ہے اور معارضہ باب مفاعلہ سے ہے اور دونوں میں شرکت

کے معنی پائے جاتے ہیں ۔یعنی دو یا دو سے زیادہ کے درمیان شرکت پر دلالت کرتے ہیں ۔
اس لئے ''تعارض''اور''معارضہ'' کے معنی''مقابلہ'' کے ہیں

ابن منظور فرماتے ہیں :

"وعارض الشی بالشی معارضة قابله، وعارضت كتابى بكتابه ای قابلته. وفلان يعارضنی ای يبارينی وفی الحديث :ان جبريل عليه السلام كان يعارضه القرآن فی كل سنةمرة وانه عارضه العام مرتين، قال ابن الاثير :ای كان يدارسه جميع مانزل من القرآن من المعارضة المقابلة"(۹)

''کوئی شے کسی شے کے معارض ہوگئی یعنی مقابل آ گئی۔ اور میں نے اپنی کتاب کا، اس کی کتاب کے ساتھ معارضہ کیا یعنی میں نے مقابلہ کیا۔ فلاں مجھ سے معارضہ کرتا ہے یعنی مجھ سے مبارزت کرتا ہے اور حدیث میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام سال میں ایک مرتب نبیﷺ سے قرآن کا دور کرتے اور انہوں نے آخری سال دو دفعہ دور کیا۔ ابن الاثیر نے کہا یعنی جبرائیل علیہ السلام اور نبیﷺ مکمل قرآن پڑھا کرتے تھے اور ایک دوسرے کے سامنے پیش کرتے تھے۔''

ڈاکٹر عبداللطیف عبد اللہ عزیز البرزنجی ابن اثیر کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"وقد يكون فی المقابلة معنى الدفع والممانعة"(۱۰)

''مقابلہ کے معنی میں دفع اور ممانعت کے معنی بھی ہیں۔''

علامہ بزدوی ''معارضہ'' کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"اما معنى المعارضة لغة فا لممانعة على سبيل المقابلة يقال

عرض لی کذا ای استقبلنی بصد و منع سمیت الموانع عوارض" (۱۱)

"جہاں تک معارضہ کے لغوی معنی کا تعلق ہے تو اس کے معنی مقابلے کے ذریعے ممانعت کے ہیں کہا جاتا ہے اس نے مجھ سے معارضہ کیا یعنی اس نے میرا مقابلہ کیا مجھے روکتے اور منع کرتے ہوئے، اسی لئے موانع کو عوارض بھی کہا جاتا ہے۔"

علامہ سرخسی اور زیادہ وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

"(المعارضة) فهی الممانعة علی سبیل المقابلة یقال :عرض لی کذا ای استقبلنی فمنعنی مما قصدته، ومنه سمیت الموانع عوارض،فاذا نقابل الحجتان علی سبیل المدافعة والممانعة سمیت معارضة"(۱۲)

"معارضہ، مقابلہ کے ذریعے کسی چیز سے روکنا ہے۔ کہا جاتا ہے اس نے مجھ سے معارضہ کیا یعنی میرا مقابلہ کیا اور مجھے اس سے روک دیا جس کا میں نے قصد کیا۔ اور اسی سے موانع کو عوارض بھی کہا جاتا ہے۔ جب ہم دو دلیلوں کا تقابل ممانعت و مدافعت کے اعتبار سے کرتے ہیں تو اس کو معارضہ کا نام دیا جاتا ہے۔"

حاصل یہ ہے کہ "معارضہ" اس ممانعت اور ٹکراؤ کو کہتے ہیں جو مقابلہ کے طور پر ہو۔

علامہ یعقوب البنانی فرماتے ہیں:

" ھی فی اللغة ممانعة علی سبیل المقابلة"(۱۳)

"لغت میں اس کے معنی مقابلہ کے ذریعے کسی چیز کی ممانعت ہے۔"

موانع کو بھی عوارض اسی لیے کہتے ہیں اور اسی سے مشتق کر کے سحاب (بادل) کو عارض کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

"فلما راوہ عارضا مستقبل اودیتھم قالوا ھذا عارض ممطرنا"(۱۵،۱۴)

''پھر جب انہوں نے اس کو دیکھا کہ بادل ان کے میدانوں کی طرف آرہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا۔''

معارضہ کی اصطلاحی تعریف

علماء اصول کی اصطلاح میں ''معارضہ'' کہتے ہیں دو برابر درجہ کی حجتوں کا اس طور پر مقابل ہونا کہ ان دونوں کا جمع ہونا ناممکن نہ ہو۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"فھو تقابل الحجتین المتساویتین علی وجه یوجب کل واحد منھما ضد ما توجبه الاخری،کالحل والحرمة والنفی والاثبات،لان رکن الشی ما یقوم به ذلک الشی،وبالحجتین المتساویتین تقوم المقابلة اذا لا مقابلة للضعیف مع القوی " (۱۶)

''دو برابر درجہ کی حجتوں کا اس طور پر مقابل ہونا کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ جیسا کہ حلال وحرام اور نفی واثبات۔ کیونکہ کسی شے کا رکن وہ ہوتا ہے جس پر وہ چیز قائم ہوتی ہے۔ اور دو مساوی درجہ کی حجتوں کے درمیان مقابلہ ہوتا ہے لیکن ضعیف حجت کا قوی کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں۔''

علامہ محمد اعلی التھانوی اصولیین کے نزدیک ''تعارض'' کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هو كون الدليلين بحيث يقتضى احدهما ثبوت امر والاخر انتفاء ه فى محل واحد فى زمان واحد بشرط تساويهما فى القوة،او زيادة احدهما بوصف هو تابع، واحترز باتحاد المحل عما يقتضى حل المكنوحة وحرمة امها،وباتحاد الزمان عن مثل حلّ وطى ء المنكوحة قبل الحيض وحرمته عند الحيض،وبالقيد الا خير عما اذا كان احدهما اقوى بالذات كالنص والقياس اذ لاتعارض فيهما " (١٧)

''دو دلیلوں کا اس طور پر قائم ہونا ہے کہ ایک کا اقتضا کسی چیز کے کرنے کا ہو اور دوسری ، ایک ہی زمانہ اور مقام میں اس کی نفی کرے، اور دونوں قوت میں برابر ہوں۔ یا کسی ایک میں کوئی وصف زیادہ ہو جو اس کی ذات کے تابع ہو۔ اتحادِ محل سے احتراز ہو جیسا کہ بیوی کی حلت اور اس کی ماں کی حرمت ہے اتحادِ زمان کے لحاظ سے جیسے وطی منکوحہ سے قبل الحیض حلال ہے اور عند الحیض حرام ہے۔ آخری شرط یہ ہے کہ ایک ان میں اپنی ذاتِ میں اقوی ہو جیسا کہ نص اور قیاس ۔ ورنہ ان میں کوئی تعارض نہیں۔''

علامہ خضریؒ فرماتے ہیں:

" التعارض: ان يقتضى كل من دليلين عدم ما يقتضيه الآ خر" (١٨)

''تعارض: یہ کہ ایک دلیل کسی ایک حکم کا تقاضا کرے اور دوسری کسی

دوسرے حکم کا تقاضا کرے۔"

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی فرماتے ہیں:

"هو ان يقتضى احد الدليلين حكما فى واقعة خلاف ما يقتضيه الدليل الآخر فيها" (۱۹)

"دو دلیلوں میں سے ایک دلیل کسی مسئلہ میں ایک حکم کی متقاضی ہو جبکہ دوسری دلیل کا اقتضاء اس کے خلاف ہو۔"

علامہ خضری اور ڈاکٹر وہبہ الزحیلی کے نزدیک تعارض سے مراد ایک مسئلہ میں دو دلیلوں کا ایک دوسرے سے مختلف حکم کا تقاضا کرنا ہے۔

قرآن کا قرآن سے تعارض

نسخ

قرآن کریم اللہ تعالی کا کلام ہے اور کلام اللہ میں حقیقی تعارض کا پایا جانا محال ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

"لو كان من عند غير الله لو جدوا فيه اختلافا كثيرا" (۲۰)

"اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے"

البتہ مجتہد کی نظر میں قرآن کریم کی دو آیات میں ظاہری تعارض کا پایا جانا ممکن ہے۔ ایسی صورت میں اس کو رفع کرنے کا پہلا اصول یہ ہے کہ دونوں نصوص کی تاریخ نزول معلوم کی جائے گی اگر ان کی تاریخ کا علم ہو جاتا ہے تو یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ بعد میں نازل ہونے والی نص پہلے نازل ہونے والی نص کی ناسخ ہے۔مثلاً:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا وصية لا زواجهم متاعا الى الحول غير اخراج"(۲۱)

''جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ ان کو ایک سال تک کا خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالا جائے۔''

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

"والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا" (۲۲)

''اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رکھیں۔''

پہلی آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اس کی عدت ایک سال ہے جبکہ دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے دونوں آیات کی تاریخ نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری آیت، پہلی آیت کے بعد نازل ہوئی اس لیے وہ پہلی آیت کے حکم کو منسوخ کرتی ہے اور دوسری آیت کا حکم باقی ہے۔

۲۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا" (۲۳)

اوردوسری جگہ ارشاد ہے:

"واولات الا حمال ان یضعن حملهن"(۲۴)

''اورحمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔''

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہوجائے اس کی عدت چاہ ماہ دس دن ہے اس میں حاملہ اور غیر حاملہ کا کوئی فرق نہیں ہے لیکن دوسری آیت بتلاتی ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے یعنی بچہ کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی عدت ختم ہو جائے گی ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی رائے یہ ہے کہ دوسری آیت پہلی آیت کے بعد نازل ہوئی اس لیے دوسری آیت پہلی آیت کی ناسخ ہے لہذا حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے خواہ یہ مدت چاہ ماہ دس دن سے کم ہو یا زیادہ۔

ابو داؤد ، بخاری ، نسائی ور ابن ماجہ چاروں نے اسے روایت کیا ہے ذیل میں سنن ابی داؤد سے مع سند کے روایت درج کی جاتی ہے۔

"حدثنا عثمان ابن ابی شیبةومحمد بن العلا ء قالل عثمان حدثنا 'وقال محمد بن العلا ء اخبرنا ابومعاوية، حدثنا الاعمش عن مسلم 'عن مسروق عن عبدالله قال :((من شاء لا عنته لانزلت سورةالنساء القصری بعد الا ربعة الاشهر (اشهر)وعشرا)) (وعشر)"(۲۵)

''ہم سے عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا اور محمد بن علاء نے ،عثمان نے کہا اورمحمد بن العلاء نے کہا ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی ، ہم سے الاعمش نے مسلم سے ، اس نے مسروق، اور عبداللہؓ بن مسعود سے روایت کیا

فرمایا: جو چاہے میں اس کے ساتھ ملاعنہ کرنے کے لئے تیار ہوں اس بات پر کہ سورۃ النساء القصریٰ (طلاق) چار مہینے دس دن کی عدت کے حکم کے بعد نازل ہوئی۔"

سورۃ النساء القصری سے مراد سورۃ طلاق ہے۔

ترجیح

اگر دو متعارض نصوص کی تاریخ ورود کا علم نہ ہو تو مجتہد ترجیح کے اصول سے ایک نص کا دوسری نص سے تعارض رفع کرے گا اور ان طریقوں کو اختیار کرے گا جو ترجیح کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ترجیح کے بعض اہم طریقے ذیل میں تحریر کیے جاتے ہیں۔

اول :نص کو ظاہر پر ترجیح دی جائے گی

''واضح الدلالۃ''الفاظ کی چار اقسام ہیں''ظاہر،نص،مفسر اور محکم''ان میں سے جب''ظاہر اور نص''کے درمیان تعارض ہو گا تو''نص''کو ظاہر''پر ترجیح ہوگی جیسے کہ قرآن کریم میں ان عورتوں کی تفصیل بیان کرنے کے بعد جن سے نکاح حرام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**واحل لکم ماوراء ذلکم**"(۲۶)

اس آیت کے ظاہری معنی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان عورتوں کے علاوہ آدمی چار سے زیادہ عورتوں سے بیک وقت نکاح کرسکتا ہے لیکن آیت کے یہ ظاہری معنی دوسری آیت سے متعارض ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع**" (۲۷)

اس آیت کی رو سے چار سے زیادہ عورتوں سے ایک وقت میں نکاح کرنا حرام ہے اور یہ آیت اس بارے میں نص ہے یعنی اس مقصد کے لیے نازل ہوئی ہے اس لیے پہلی آیت پر اس کو ترجیح دی جائے گی اور چار سے زیادہ عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنا حرام ہو گا۔

علامہ عبدالعزیز بخاریؒ "کشف الاسرار شرح اصول بزدوی" میں فرماتے ہیں:

"ونظیر التعارض بین الظاھروالنص من الکتاب قوله تعالی: (واحل لکم ماوراء ذلکم النساء:۲۴)مع قوله تعالی :(فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع)(النساء.۳)فان الاول ظاھر عام فی اباحة نکاح غیر المحرمات فیقتضی بعمومه واطلاقه جواز نکاح ماوراء الاربع والثانی نص یقتضی اقتصار الجواز علی الاربع فیتعارضان فیماوراء الاربع فیر جع النص ویحمل الظاھرعلیه"(۲۸)

"اور کتاب اللہ میں ظاہر اور نص کے درمیان تعارض کی مثال یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (اور اس کے علاوہ عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں) اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہے۔ (نکاح کرو عورتوں سے جو تمہیں پسند ہیں دو دو، تین تین، چار چار) پس پہلی آیت ظاہر ہے اور غیر محرمات سے نکاح کے بارے میں عام ہے اور اپنے عموم و اطلاق کے باعث چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کے جواز کا تقاضا کرتی ہے۔ دوسری آیت نص ہے اور اس کا اقتضاء چار عورتوں تک محدود رہنا ہے۔ پس ان دونوں میں چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے میں تعارض پیدا ہو گیا۔ پس یہاں نص کو ترجیح دی جائے گی اور ظاہر کو اس پر محمول کیا جائے۔"

علامہ سرخسیؒ ظاہر اور نص پر بحث کرنے اور مثالیں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فتبین بھذا ان موجب النص ما ھو موجب الظاھر ولکنه یزداد علی الظاھر فیما یرجع الی الوضوح والبیان بمعنی عرف من

مراد المتکلم، وانما یظھر ذلک عند المقابلة ویکون النص اولی من الظاھر" (۲۹)

''اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو نص کا موجب ہے وہی ظاہر کا موجب ہے لیکن نص میں، معنی کی وضاحت و بیان کے اعتبار سے، ظاہر کے مقابلے میں زیادتی ہوتی ہے۔ اس سے متکلم کی مراد کا پتہ چلتا ہے اور اس کا اظہار مقابلہ کے وقت ہوتا ہے۔ پس نص ظاہر سے اولیٰ ہے۔''

دوم: مفسر کو نص پر ترجیح ہو گی

مفسر اور نص میں تعارض کی صورت میں مفسر کو نص پر ترجیح دی جائے گی اس لیے کہ نص میں تاویل کا احتمال ہوتا ہے جب کہ مفسر میں یہ احتمال نہیں پایا جاتا۔ علامہ عبدالعزیز بخاریؒ اصول بزدوی کی شرح میں فرماتے ہیں

"وحکمه اعتقاد مافی النص وانه لا یحتمل التاویل فیکون اولی من النص عند المقابلة"(۳۰)

''اس کا حکم یہ ہے کہ نص پر اعتماد کیا جائے کیونکہ اس میں تاویل کا احتمال نہیں پس تعارض کے وقت مفسر، نص پر اولیٰ ہے۔''

کتب اصول میں مفسر اور نص کے تعارض کی مثال قرآن کریم سے کوئی بھی بیان نہیں کی گئی البتہ احادیث سے اس کی وضاحت کی گئی ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''المستحاضة تتوضالکل صلوة''(۳۱)

یعنی مستحاضہ ہر نماز کے لیے وضو کرے یہ حدیث اس امر کے بارے میں نص ہے کہ مستحاضہ ہر نماز کے لیے وضو کرے خواہ وہ ایک ہی وقت میں فرض ہے کیونکہ حدیث کے ظاہر معنی یہی سمجھ میں آتے ہیں اور وہ اسی مقصد کے لیے لائی بھی گئی ہے لیکن اس میں تاویل

کی گنجائش ہے اس کے مقابلہ میں دوسری روایت یہ ہے '' المستحاضة تتوضا لوقت کل صلاۃ'' یعنی مستحاضہ نماز کے ہر وقت کے لیے وضو کرے یہ حدیث پہلی حدیث کی معارض ہے لیکن چونکہ یہ مفسر ہے اس لیے نص پر اس کو ترجیح ہوگی اور پہلی حدیث کی تاویل کی جائے گی۔

علامہ عبدالعزیز بخاریؒ شمس الائمہ سرخسیؒ کی نص اور مفسر کے درمیان تعارض کی فقہی جزئیات کی مثال بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"وذکر غیره نظیر التعارض بینهما قوله علیه السلام: (المستحاضة تتوضا لکل صلاة)مع قوله صلی الله علیه وسلم : (المستحاضة تتوضا لوقت کل صلاة)قال:لان الاول مسوق فی مفهومه فکان نصا ولکنه یحتمل التاویل اذ اللام یستعار للوقت والثانی لا یحتمله فیکون مفسرا فیر جح ویحمل الاول علیه"(۳۲)

''اور اس کے علاوہ نص اور مفسر کے درمیان تعارض کی مثال یہ ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو کرے'' اس کے ساتھ یہ بھی قول ہے۔''مستحاضہ ہر نماز کے وقت وضو کرے۔'' فرمایا: کیونکہ پہلی حدیث اپنے مفہوم کے لحاظ سے اسی مقصد کے لئے لائی گئی ہے۔ اس لئے وہ نص ہے لیکن تاویل کا احتمال رکھتی ہے۔ اس لئے کہ ''ل'' وقت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن دوسری حدیث میں تاویل کا احتمال نہیں پس وہ مفسر ہے اس لئے اس کو ترجیح دی جائے گی اور پہلی کو اس کی طرف لوٹایا جائے گا۔''

سوم: محکم کو اس کے ماسوا ہر قسم پر خواہ وہ ظاہر ہو نص ہو کہ مفسر ہو ترجیح دی جائے گی

محکم چونکہ سب سے اقوی ہے اس میں نہ تو تاویل کا احتمال ہوتا ہے اور نہ ہی مفسر کی طرح نسخ اور تبدیل کا احتمال ہوتا ہے اس لیے اگر محکم کے معارض اس کے ماسوا میں سے کوئی بھی ہو اس پر محکم کو اقوی ہونے کی بناء پر ترجیح دی جائے گی جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وا حل لکم ماور اء ذلکم "(۳۳)

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس سے قبل مذکورہ محرمات عورتوں کے علاوہ باقی سب تمہارے لیے حلال ہیں۔ اس کے عموم میں نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ازدواج مطہرات بھی شامل معلوم ہوتی ہیں لیکن دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے۔

"وما کان لکم ان تو ذوا رسول الله ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ابدا" (۳۴)

یہ آیت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کی حرمت کے بارے میں محکم ہے اس میں کسی تاویل اور نسخ کی گنجائش نہیں لہذا اس محکم آیت کو نص پر ترجیح دی جائے گی۔

مفسر اور محکم کے درمیان تعارض کی مثال ملاجیون بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" مثال تعارض المفسرمع المحکم قوله تعالی :(و اشهدو ا ذوی عدل منکم)(۳۵)مع قوله تعالی (ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا) (۳٦)فان الاول مفسر یقتضی قبول شهادةمحدودین فی القذف بعد التوبة لانهماصارا عدلین حینئذ،والثانی محکم یقتضی عدم قبولها لو جود التابید فیه صریحا، فاذا تعارض بینهما یعمل علی

المحکم" (۳۷)

""مفسر کے محکم کے ساتھ تعارض کی مثال یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ گواہی دیں تم میں سے دو عادل افراد اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔" ان کی شہادت کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔" پہلی آیت مفسر ہے اس کا اقتضاء یہ ہے کہ قذف میں حد یا فتہ لوگوں کی شہادت توبہ کے بعد قبول کی جائے کیونکہ توبہ کے بعد وہ عادل ہو گئے دوسری آیت محکم ہے اس کا اقتضاء عدم قبول شہادت کا ہے اس لئے کہ آیت میں ہمیشہ کا ذکر صراحتاً ہے اس لئے ان دونوں آیات میں تعارض پیدا ہو گیا۔ تو محکم پر عمل کیا جائے گا۔"

چہارم: "عبارۃ النص" سے ثابت حکم کو "اشارۃ النص" سے ثابت حکم پر ترجیح دی جائے گی

حنفی علماء اصول نے معانی پر الفاظ کی دلالت کی کیفیت کی چار اقسام بیان کی ہیں۔

۱۔عبارۃ النص ۲۔اشارۃ النص

۳۔دلالۃ النص ۴۔اقتضاء النص

جبکہ احناف کے علاوہ دیگر علماء اصولیین یعنی متکلمین نے مفہوم مخالفہ کا اضافہ کیا ہے۔

عبارۃ النص سے ثابت حکم ہی چونکہ کلام سے مقصود ہوتا ہے خواہ اصالتہ ہو یا تبعا جب کہ اشارۃ النص سے مراد لفظ کا کسی ایسے حکم پر دلالت کرنا ہے جو نہ مقصود کلام ہو اور نہ کلام کو اس کے لیے لایا گیا ہو لیکن اشارہ اس کی طرف موجود ہو جواز روئے لغت غور وفکر کے بعد سمجھ میں آئے۔اس لیے عبارۃ النص اور اشارۃ النص میں تعارض کی صورت میں عبارۃ النص

کوترجیح دی جائے گی۔

علامہ بزدویؒ دلالت کے چاروں طرق کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

"اما الاول فما سیق الکلام له وارید به قصدا والا شارة ما ثبت بنظمه مثل الاول الا انه غیر مقصود ولا سیق الکلام له وهما سواء فی ایجاب الحکم الا ان الاول احق عند التعارض" (۳۸)

''جہاں تک اول کا تعلق ہے تو وہ جس کے لئے کلام کو لایا گیا ہو اور جس کے لئے ارادہ کیا گیا ہو اور اشارۃ النص سے مراد یہ ہے جو عبارۃ النص کی طرح نظم کلام سے ثابت ہو لیکن کلام کا مقصود نہ ہو اور نہ اس کے لئے کلام لایا گیا ہو دونوں حکم کے واجب کرنے میں برابر ہیں لیکن تعارض کے وقت عبارۃ النص کوترجیح دی جائے گی۔''

علامہ عبدالعزیز بخاری اس کی شرح میں قرآن کریم سے عبارۃ النص اور اشارۃ النص کے درمیان تعارض کی مثال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"وذکر فی بعض الشروح انهما سواء فی ایجاب الحکم ای یثبت الحکم بهما قطعا الا ان الاول ای الوجه الاول وهوالثابت بالعبارة احق عند التعارض لکونه مقصودا من الثابت بالاشارة لکونه غیر مقصود. مثاله ما قال الشافعی رحمه الله :لا یصلی علی الشهید لقوله تعالی :(ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء عند ربهم) (آل عمران . ۱۶۹)سیقت الآیة لبیان منزلة الشهداء وعلو درجاتهم عندالله تعالی وفیه اشارة الی انه لا یصلی علیهم لانه تعالی سماهم احیاء وصلا ة الجنازة

غیرمشروعة علی الحی ولکن قوله تعالی :(وصل علیهم ان صلا تک سکن لهم (التوبة.١٠٣)عبارة فی ایجاب الصلاۃ فی حق الاموات علی العموم والشهداء اموات حقیقة وحکما بدلیل جواز قسمة اموالهم وتزوج نسائهم وغیر ذلک فترجح العبارة علی الاشارة" (٣٩)

"بعض شروح میں ذکر کیا گیا ہے۔ کہ وہ حکم کے واجب کرنے میں برابر ہیں یعنی ان دونوں سے حکم قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے لیکن عبارۃ النص چونکہ عبارت سے ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے تعارض کے وقت اس کو ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ اشارۃ النص سے ثابت کے مقابلے میں جو کہ غیر مقصود ہے، عبارۃ النص سے ثابت، مقصود ہوتا ہے، اس کی مثال یہ ہے امام شافعی کا قول ہے : شہید کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"نہ گمان کرو ان کو جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے، مردہ، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس۔" یہ آیت اللہ کے ہاں شہداء کی قدر و منزلت اور بلند درجات کے بیان کے لئے لائی گئی ہے۔ اور اس میں اشارہ بھی ہے کہ شہداء کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کے نام سے موسوم کیا۔ اور کسی زندہ پر نماز جنازہ پڑھنا مشروع نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔" ان کے لئے دعا کیا کرو بے شک تیری دعا ان کے لئے باعث سکون ہے۔" یہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے مرنے والوں کے لئے نماز جنازہ کے حق میں عبارۃ النص ہے۔ اورشہداء بھی حقیقتاً و حکماً مردہ ہیں۔ اس دلیل کے ساتھ کہ ان کے بعد ان کے اموال وراثت میں تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ اور ان کی عورتیں

شادی کر لیتی ہیں۔اور اسی طرح دیگر مسائل میں بھی مردوں کی طرح ہیں۔ پس عبارۃ النص کو اشارہ النص پر ترجیح ہو گی۔

پنجم ''اشارۃ النص'' سے ثابت حکم کو ''دلالتہ النص'' سے ثابت حکم پر ترجیح دی جائے گی

''دلالتہ النص '' لفظ کی اپنے معنی پر ایسی دلالت کو کہتے ہیں جو یہ بتلائے کہ نص میں حکم مذکور کا اطلاق مسکوت عنہ پر بھی علت کے اشتراک کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ علت مشترکہ اس نص کے صرف لغوی معنی جاننے کی وجہ سے سمجھ میں آجاتی ہو اس کے لیے اجتہاد واستنباط کے ملکہ کی ضرورت نہ ہو ۔لہذا دلالتہ النص بھی قطعی الدلالۃ ہونے میں اشارۃ النص ہی کی طرح ہے مگر چونکہ اشارۃ النص میں نظم اور معنی دونوں موجود ہوتے ہیں اور دلالتہ النص میں صرف معنی لغوی معتبر ہوتا ہے اس لیے دونوں میں تعارض کے وقت اشارۃ النص کو ترجیح دی جائے گی ۔کیونکہ اشارۃ النص اور دلالتہ النص میں معتبر، دونوں معنوں میں تقابل ہو گیا اور اشارۃ النص میں نظم بغیر کسی معارضہ کے باقی رہ گیا ہے اس لیے اشارۃ النص قابل ترجیح ہو گی۔

علامہ بزدویؒ دلالتہ النص کی تعریف کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"والثابت بهذا القسم مثل الثابت بالاشارة والعبارة الا انه عند التعارض دون الاشارة" (۴۰)

''اس قسم یعنی دلالتہ النص سے ثابت حکم عبارۃ النص اور اشارۃ النص کی طرح ہے لیکن تعارض کے وقت اشارۃ النص کو ترجیح دی جائے گی۔''

علامہ عبدالعزیز بخاری اس کی شرح میں قرآن کریم سے اشارۃ النص اور دلالتہ النص کے درمیان تعارض کی مثال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

"هذا القسم وهو الدلالة عند التعارض دون الاشارة لان فی الاشارة وجد النظم والمعنی اللغوی وفی الدلالة لم یوجد الا المعنی اللغوی فتقابل المعنیان وبقی النظم سالما عن المعارضة فی الاشارة فترجحت بذلک .ومثال تعارض الدلالة والاشارة ما قال الشافعی رحمه الله :ان الکفارة تجب فی القتل العمد لانها لما وجبت فی القتل الخطا للجنایة مع قیام العذر بقوله تعالی :(ومن قتل مومنا خطا فتحریر رقبة)(النساء ۹۲) الآیة،لان تجب بالعمد ولا عذر فیه کان اولی. ویعارضها قوله تعالی: (ومن یقتل مومنا متعمدا فجزا ء ه جهنم خالدا فیها) (النساء. ۹۳)،فانه یشیرالی عدم وجوب الکفارة فیه وذلک لانه تعالی جعل کل جزائه جهنم اذا الجزاء اسم للکامل التام علی ما مر بیانه فلو وجبت الکفارة معه کان المذکور بعض الجزاء فلم یکن کاملا تاما الا تری ان فی جانب الخطا لما وجبت الدیة مع الکفارة جمع بینهما فقال (فتحریر رقبة مومنة ودیة مسلمة الی اهله) (النساء :۹۲)فعرفنا بلفظ الجزاء ان من موجب النص انتفاء الکفارة فرجحنا الاشارة علی الدلالة"(۱۴)

"یہ قسم دلالۃ النص ہے اس پر تعارض کے وقت اشارۃ النص کو ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ اشارہ النص میں نظم اور لغوی معنی دونوں پائے جاتے ہیں اور دلالۃ النص میں صرف لغوی معنی پایا جاتا ہے پس دونوں کے معنی میں تقابل ہو گیا اور اشارۃ النص میں نظم معارضہ سے سالم باقی رہ گیا۔ پس اشارۃ النص کو ترجیح دی جائے گی۔ دلالۃ النص اور اشارۃ النص میں

تعارض کی مثال یہ ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ قتل عمد میں کفارہ واجب ہے کیونکہ قتل خطا میں سزا کے طور پر کفارہ واجب ہے حالانکہ قتل خطا میں عذر قبول کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ جس نے خطا کے ساتھ کسی مومن کو قتل کر دیا تو وہ گردن آزاد کرے یہ کفارہ قتل عمد میں واجب ہونا اولیٰ ہے کیونکہ اس میں عذر قبول نہیں کیا گیا۔ لیکن اس سے متعارض اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد ہے: ''جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے اس کی جزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔'' یہ آیت قتل عمد کی صورت میں عدم کفارہ کی طرف اشارہ کرتی ہے یہ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی جزا جہنم کو بتایا ہے یہاں جزا کا اسم کامل و تام ہے جس کا بیان گزرا ہے تو اگر اس کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوتا تو (اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں مکمل جزا کا ذکر نہیں ہے) بلکہ بعض جزاء کا ذکر ہو گا تو یہ کامل و تام نہ ہو گی۔ آپ نہیں دیکھتے کہ جب قتل خطا کا ذکر آیا ہے اور اس میں دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوئے ہیں تو دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' آزاد کرنا مومن کی گردن کا اور اس کے اہل خانہ کو مکمل دیت کی ادائیگی، ہم نے لفظ جزاء کے موجب سے سمجھا کہ نص میں کفارہ کی نفی ہے پس ہم نے اشارۃ النص کو دلالۃ النص پر ترجیح دی۔''

علامہ نسفی فخر الاسلام کی اتباع میں ''المنار'' میں فرماتے ہیں :

''والثابت به كالثابت بالاشارة الاعند التعارض''(۴۲)

''اس سے ثابت حکم اشارۃ النص سے ثابت حکم کی طرح ہے مگر تعارض

کے وقت اشارۃ النص کو ترجیح دی جائے گی۔"

ملا جیون "نور الانوار شرح المنار" میں فرماتے ہیں:

"یعنی ان الدلالة ایضا کالاشارة فی کونها قطعیة، لکن الاشارة اولی عند التعارض، ومثاله قوله تعالی :(ومن قتل مومنا خطا فتحریر رقبة مومنة) فانه لما اوجب الکفارة علی الخاطی، بعبارة النص وهوادنی حالا، فالاولی ان تجب علی العامد وهو اعلی حالا،وبهذا تمسک الشافعی رحمه الله فی وجوب الکفارة علی العامد، ونحن نقول انه یعارضه قوله تعالی:(ومن یقتل مومنامتعمدافجزائه جهنم خالدا فیها) فانه یدل باشارة النص علی انه لیس علیه الکفارة، اذا الجزاء اسم للکافی وایضا هو کل المذکور فعلم انه لا جزاء له سوی جهنم، ولا یقال لو کان کذلک لما وجب علیه الدیة والقصاص، لانا نقول ذلک جزاء المحل، واما جزاء الفعل فهو الکفارة فی الخطا وجهنم فی العمد ولو سلم ذلک فالقصاص ثبت بنص آخر" (۴۳)

"یعنی دلالۃ النص اپنی قطعیت میں اشارۃ النص کی طرح ہے لیکن اشارۃ النص کو تعارض کی صورت میں ترجیح دی جائے گی۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"جو کسی مومن کی خطاءً قتل کر بیٹھے تو کفارے کے طور پر مومن کی گردن آزاد کرے۔" پس جب عبارۃ النص سے خاطی پر کفارہ واجب ہے جس کا حال قتل عمد کے مقابلے میں ادنیٰ ہے تو یہ اولیٰ ہے کہ عمداً قتل کرنے والے پر کفارہ واجب ہو کیونکہ اس کا حال اس کا زیادہ متقاضی ہے اسی

سے امام شافعیؒ نے قتل عمد کی صورت میں کفارہ کے وجوب کی دلیل پکڑی ہے اور ہم کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے قول کے متعارض ہے کہ ''جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی جزا جہنم ہے وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ اس میں اشارۃ النص سے یہ بات ہوتی ہے کہ اس پر کفارہ نہیں۔ کیونکہ جزا ایک مکمل اسم ہے اور اس میں جزاء مکمل طور پر بیان کر دی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی جزا جہنم کے سوا کچھ نہیں اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ جب یہ (کفارہ) واجب نہیں تو دیت اور قصاص بھی واجب نہیں۔ ہم کہتے ہیں یہ جزاء تو قتل کو حلال کر لینے پر ہے۔ جہاں تک فعل قتل کی سزا کا تعلق ہے تو وہ قتل خطا کی صورت میں کفارہ اور قتل عمد کی صورت میں جہنم ہے اور اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو قصاص کا وجوب دوسری نص سے ثابت ہے۔

ششم: دلالۃ المنطوق سے ثابت حکم کو دلالۃ المفہوم سے ثابت حکم پر ترجیح دی جائے گی

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ متکلمین اصولیین اور شوافع دلالت کے طرق میں سے دلالۃ المفہوم یا مفہوم مخالفہ کو بھی معتبر مانتے ہیں لیکن اگر دلالۃ المنطوق اور دلالۃ المفہوم سے ثابت احکام میں تعارض واقع ہو جائے تو دلالۃ المنطوق کو ترجیح دی جائے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یا ایھا الذین امنوا لا تاکلو الربا اضعافا مضاعفة" (۴۴)

''اے ایمان والو سود مت کھاؤ دوگنا چوگنا۔''

اس آیت میں مفہوم مخالفہ سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اگر سود اضعافا مضاعفة

نہ ہوتو حرام نہیں ہے جب کہ دوسری جگہ سود کی حرمت کے بارے میں نص صریح ہے ۔ ارشاد باری تعالی ہے :

" وان تبتم فلکم رء وس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون" (۴۵)

''اور اگر تم توبہ کرلو گے تو تمہیں اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے۔ جس میں نہ اوروں کا نقصان نہ تمہارا نقصان ہے۔''

یہ آیت سود کی حرمت پر منطوق ہے اگر چہ وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو ۔ لہذا ایسی صورت میں دلالۃ منطوق کو دلالۃ مفہوم یا مفہوم مخالفہ پر ترجیح دی جائے گی۔

جمع و تطبیق

دو متعارض نصوص کی تاریخ ورود کا بھی اگر علم نہ ہو اور کسی کو ترجیح بھی نہ دی جا سکتی ہوتو دونوں کے درمیان موافقت اور تطبیق کی کوشش کی جائے گی۔ مثلا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

" والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن با نفسھن اربعة اشھر و عشرا" (۴۶)

اس آیت سے ایسی عورت کی عدت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو چار مہینہ دس دن معلوم ہوتی ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ اور دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے ۔

" واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن" (۴۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے ۔

وہ فقہاء جو دوسری آیت کو پہلی آیت کے لئے ناسخ نہیں مانتے وہ ان دونوں کو تطبیق اس طرح دیتے ہیں کہ ان میں جو مدت زیادہ ہو وہ شمار کی جائے گی اگر وضع حمل کی مدت چار مہینہ دس دن سے زیادہ ہو تو وہ عدت شمار ہو گی اور اگر وضع حمل چار مہینہ دس دن سے

پہلے ہو جاتا ہے تو عدت چار مہینہ دس دن شمار ہوگی اور یہ مذہب حضرت علیؓ کا ہے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

" وحين اختلف علي و ابن مسعود رضى الله عنهما فى المتوفى عنها زوجها اذا كانت حاملا ، فقال على رضى الله عنه : تعتد با بعد الا جلين ، و استدل با لآيتين قوله تعالى: (اربعة اشهر وعشرا) وقوله تعالى: (واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن) " (۴۸)

''اور جب حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان بیوہ حاملہ کی عدت پر اختلاف ہوا تو حضرت علیؓ نے فرمایا تم دونوں عدتوں میں زیادہ مدت والی کو گن لو۔ اور ان دو آیات سے استدلال فرمایا''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''(بیوہ کی عدت) چار ماہ دس دن''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''حمل والی عورتوں کی مدت واضع حمل ہے۔''

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان جمع و توفیق کے طرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومن طرق الجمع والتوفيق ، اذ كان احد النصين عاما والآخرخاصا، او كان احداهما مطلقا والثانى مقيدا. تخصيص العام بالخاص فيعمل الخاص فيما ورد فيه ويعمل بالعام فيما وراء ذلک،ويحمل المطلق على المقيد ، او يعمل بالمقيد فى موضعه والمطلق فيما عداه" (۴۹)

''جمع و توفیق کے طرق میں سے یہ ہے کہ جب ایک نص عام اور دوسری خاص ہو یا دونوں میں سے ایک مطلق ہو دوسری مقید ہو' تو عام کی تخصیص خاص کے ذریعے کی جائے گی اور خاص پر عمل جس سے متعلق وہ وارد ہوئی ہے کیا جائے گا اور اس کے علاوہ پر عام کے مطابق عمل ہو گا اسی طرح مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور مقید پر اس کے موقع پر عمل کیا جائے گا اور اس کے علاوہ پر مطلق کے مطابق عمل ہو گا۔''

اور مزید فرماتے ہیں:۔

"ومن طريق التوفيق تاويل احد النصين على نحو لا يعارض النص الآخر" (۵۰)

''اور جمع و توفیق کے طریقوں میں یہ بھی ہے کہ ایک نص کی تاویل کی جائے اس طرح کہ وہ دوسری نص کے متعارض نہ رہے۔''

ادلہ متعارضہ کا سقوط اور ان سے کم رتبہ دلیل سے استدلال

اگر دو آیات کے درمیان تعارض ہو اور دونوں آیات کے نزول کی تاریخ بھی معلوم نہ ہو اور ترجیح و توفیق کے طرق کے ذریعہ ان کا تعارض رفع نہ کیا جا سکتا ہو تو ایسی صورت میں سنت کی طرف رجوع کیا جائے اور یہ دونوں آیتیں ساقط ہو جائیں گی یعنی ان میں سے کوئی آیت کسی کے لیے حجت نہیں ہوگی اور حدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ علامہ بزدودیؒ فرماتے ہیں۔

"وحكم المعارضة بين آيتين المصير الى السنة" (۵۱)

''دو آیتوں کے درمیان تعارض کی صورت میں سنت کی طرف لوٹایا جائے گا۔''

علامہ عبدالعزیز بخاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قوله: (وحكم المعارضة) كذا اذا تحقق التعارض بين النصين وتعذر الجمع بينهما فالسبيل فيه الرجوع الى طلب التاريخ فان علم التاريخ وجب العمل بالمتاخر لكونه ناسخا للمتقدم وان لم يعلم سقط حكم الدليلين لتعذر العمل بهما وباحدهما عينا لان العمل باحدهما ليس باولى من العمل بالآخر. والترجيح لا يمكن بلا مرجح ولا ضرورة في العمل ايضا لوجود الدليل الذى يمكن العمل به بعدهما فلا يجب العمل بما يحتمل انه منسوخ . واذا تساقطا وجب المصير الى دليل آخر يمكن به اثبات الحكم لان الحادثة التحقت بما اذا لم يكن فيه ذلك النصان بتساقطها فلا بد من طلب دليل آخر يتعرف به حكم الحادثة ثم ان كان التعارض بين الآيتين وجب المصير الى السنة ان وجدت وهومعنى قوله ان امكن او الى اقوال الصحابة والقياس ان لم توجد" (۵۲)

"جب دو نصوص کے درمیان تعارض ثابت ہو جائے اور ان دونوں میں جمع بھی ممکن نہ ہو تو نزول کی تاریخ معلوم کی جائے گی۔ اگر نزول کی تاریخ کا علم ہو جائے تو بعد میں نازل ہونے والی نص پر عمل واجب ہو گا کیونکہ وہ اپنے سے پہلے کی ناسخ ہو گی اور اگر تاریخ نزول نہ معلوم ہو تو دونوں دلیلوں کا حکم ساقط ہو جائے گا کیونکہ دونوں پر بیک وقت عمل کرنا ممکن نہیں ہو گا اور ایک کو چھوڑ کر دوسری طرف عمل کرنا کسی طرح بھی اولیٰ نہ ہو گا۔ اور ترجیح بغیر مرجح کے ممکن نہیں۔ اور (ان دونوں متعارض

نصوص پر) عمل کی ضرورت نہیں ایسی دلیل موجود ہونے کے باعث کہ جس پر ان دونوں کے بعد عمل ممکن ہے اور جس کے منسوخ ہونے کا احتمال ہے اس پر عمل کرنا واجب نہیں۔ جب دونوں ساقط ہوگئیں تو کسی اور دلیل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگیا۔ تاکہ اس کے ذریعے حکم کا اثبات ہو سکے کیونکہ حادثہ کا حکم اب اس کے ساتھ ملحق ہوگیا جب یہ دونوں نصوص ساقط ہوگئیں اب دوسری دلیل کی طلب کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تاکہ اس سے حکم حادثہ معلوم ہو سکے۔ پس جب دو آیات میں تعارض ہوگا تو سنت کی طرف لوٹنا واجب ہوگا اور اگر سنت مل جائے تو اس پر عمل ہوگا اور اگر نہ ملے تو اقوال صحابہ اور پھر قیاس کی طرف رجوع ہوگا۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"متی وقع التعارض بین الآیتین فالسبیل الرجوع الی سبب النزول لیعلم التاریخ بینهما، فاذا علم ذلک کان المتاخر ناسخا للمتقدم فیجب العمل بالناسخ ولا یجوز العمل بالمنسوخ ، فان لم یعلم ذلک فحینئذ یجب المصیر الی السنة لمعرفة حکم الحادثة ، ویجب العمل بذلک ان وجد فی السنة ، لان المعارضة لما تحققت فی حقنا فقد تعذر علینا العمل بالآیتین ، اذ لیست احداهما بالعمل بها اولی من الآخری والتحقق بما لو لم یوجد حکم الحادثة فی الکتاب فیجب المصیر الی السنة فی معرفة الحکم" (۵۳)

''جب دو آیات میں تعارض واقع ہو جائے تو سبب نزول کی طرف

رجوع کیا جائے گا تاکہ تاریخ معلوم ہو جائے اور جب اس کا علم ہو جائے تو بعد میں نازل ہونے والی آیت پہلی کی ناسخ ہو گی اور ناسخ پر عمل کرنا واجب ہو گا اور منسوخ پر عمل کرنا جائز ہو گا اور اس کا (تاریخ نزول کا) علم نہ ہو تو حکم حادثہ معلوم کرنے کیلئے سنت کی طرف لوٹایا جائے گا اور اگر سنت مل جائے تو اس پر عمل واجب ہو گا کیونکہ ہمارے حق میں جب تعارض ثابت ہو گیا تو ہمارے لئے دونوں آیتوں پر عمل کرنا ممکن نہ رہا کیونکہ کسی بھی آیت پر عمل کرنا دوسری کے مقابلے میں اولیٰ نہیں تو حادثہ کا حکم جب کتاب میں نہیں ملا تو لازم ہو گیا کہ سنت کی طرف رجوع کیا جائے۔''

ملا جیون شرح نور الانور علی المنار میں علامہ بزدویؒ اور علامہ سرخسیؒ کی تائید میں ایسی دو متعارض آیات کہ جن کا تعارض، نسخ، ترجیح اور جمع و توفیق سے ممکن نہ ہو، کا حکم اور قرآن کریم سے مثال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(وحکمهما بين الآيتين المصير الى السنة) لان الآيتين اذا تعارضتا تساقطتا ، فلا بد للعمل من المصير الى ما بعده وهو السنة ولا يمكن المصير الى الآية الثالثة لانه يفضى الى الترجيح بكثرة الادلة. وذلک لا يجوز ومثاله قوله تعالى: (فاقروا ما تيسر من القرآن) (۵۴) مع قوله تعالى: (واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا) (۵۵) فان الاول بعمومه يوجب القراء ة على المقتدى والثانى بخصوصه ينفيه. وقد ورد فى الصلاة جميعا فتساقطا فيصار الى حديث بعده ، وهو قوله عليه السلام : (من كان له امام فقراء ة الامام قراء ة له) (۵٦)

''کیونکہ دو آیتوں کے مابین تعارض ہو گیا تو دونوں ساقط ہو گئیں اور عمل کے لئے اس کے بعد کی طرف رجوع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا اور وہ سنت ہے اور کسی تیسری آیت کی طرف رجوع کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہ عمل تو کثرۃ اولہ کے اعتبار سے ترجیح دینے کا ہے اور یہ جائز نہیں۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''پڑھو قرآن میں سے جو تمہارے لئے آسانی ہو۔''

اسی طرح ارشاد ہے:

''جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو''

پس پہلی آیت اپنے عموم میں مقتدی پر قرأت واجب کرتی ہے اور دوسری اپنے خصوص کے ساتھ اس کی نفی کرتی ہے اور دونوں نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اس لئے تعارض کے باعث ساقط ہو جائیں گی اور اس کے بعد حدیث کی طرف رجوع ہو گا۔ اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرآت اس کی بھی قرأت ہے۔''

قرآن اور سنت کا باہمی تعارض

قرآن کریم کے بعد احکام شرعیہ کا دوسرا مصدر اصلی سنت و حدیث ہے۔ سنت و حدیث کے الفاظ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے ہیں مگر معانی من جانب اللہ ہیں۔ اس طرح سنت تمام کی تمام وحی پر مبنی ہے جسے وحی غیر متلو یا وحی باطن کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جس طرح قرآن کی آیات کا باہمی حقیقی تعارض محال ہے اس طرح قرآن اور سنت کا باہمی حقیقی تعارض بھی محال ہے۔ اگر قرآن اور سنت میں کہیں باہمی تعارض پایا گیا تو یہ صرف مجتہد کی نظر کے اعتبار سے ظاہری تعارض ہو گا اور اس کا سبب بھی علم و فہم کی کمی یا مسئلہ کے تمام دلائل اور پہلوؤں سے عدم واقفیت ہی ہوگا۔ علماء اصول نے جس طرح قرآن کے باہمی تعارض کے

رفع کے اصول بیان کیے ہیں اسی طرح قرآن اور سنت کے باہمی تعارض کے رفع کے اصول وقواعد بھی وضاحت کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔

قرآن اور سنت متواترہ ومشہورہ کے درمیان تعارض

اگر قرآن اور سنت متواترہ ومشہورہ کے درمیان باہمی تعارض پایا گیا، جیسا کہ آیت حد زنا جس میں زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں کے لیے سو کوڑے سزا بیان کی گئی ہے جب کہ نبی کریم ﷺ کی متواتر سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی شدہ زانی مرد اور عورت کو رجم کیا گیا، تو آیت قرآنی اور سنت متواترہ کے درمیان اس تعارض کے رفع سے متعلق علماء اصول کے مذاہب ہیں۔

اکثر شوافع اور متکلمین سنت سے قرآن کے عموم کی تخصیص کرتے ہیں لہٰذا قرآن میں بیان کردہ حد زنا غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے لئے ہے جبکہ سنت سے ثابت سزائے رجم شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے۔

علماء احناف کے نزدیک مخصص کے لیے ضروری ہے کہ وہ کلام مستقل متصل ہو اس لیے مذکورہ بالا صورت میں سنت آیت قرآنی کی مخصص تو نہیں البتہ ناسخ ہے اور اسے نسخ جزئی کہا جاتا ہے یعنی حکم کا وصف جو عموم ہے سنت نے اسے منسوخ کر دیا۔

قرآن اور سنت مشہورہ کے درمیان تعارض کی مثال آیت وصیت ''کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیران الوصیة للوالدین والاقربین ''(۵۷) اور حدیث ''لا وصیة لوارث'' بیان کی جاسکتی ہے۔ علماء احناف اس معارضہ کا بھی رفع اصول نسخ کے ذریعہ کرتے ہیں اور حدیث لا وصیة لوارث کو آیت وصیت کی ناسخ سمجھتے ہیں۔ جمہور علماء اصول کے نزدیک سنت متواترہ اور مشہورہ سے قرآن کا نسخ جائز ہے۔

قرآن اور اخبار احاد کا باہمی تعارض

قرآن کے خاص و عام میں اور اخبار احاد کے درمیان اگر تعارض پایا جائے تو اس کو رفع کرنے کے اصول و قواعد سے متعلق بھی علماء اصول کے دو مذاہب ہیں مذہب اول جو عام شوافع اور متکلمین کا ہے کہ خبر واحد سے قرآن کے عام کی تخصیص اور قرآن کے خاص پر زیادتی ہوسکتی ہے۔

اور دوسرا مذہب علماء احناف کا ہے کہ جن کے نزدیک قرآن کے خاص اور عام دونوں کا مدلول چونکہ قطعی ہوتا ہے اس لیے خبر واحد سے نہ قرآن کے خاص پر زیادتی ہوسکتی ہے اور نہ ہی قرآن کے عام کی تخصیص ہوسکتی ہے ۔ اس لیے کہ خبرواحد ظنی ہے اور ظنی الثبوت سے قطعی پر نہ تو زیادتی ہوسکتی اور نہ تخصیص ۔ البتہ اگر قرآن کے عام کی ایک دفعہ تخصیص ہو جائے تو پھر بقیہ افراد پر عام کی دلالت چونکہ ظنی ہو جاتی ہے اس لیے خبر واحد سے مزید تخصیص ہوسکتی ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ علماء احناف اخبار احاد صحیحہ جو قرآن کے خاص اور عام سے متعارض ہوں ترک کر دیتے ہیں بلکہ ان کی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ قرآن کے خاص و عام اور اخبار احاد دونوں کے موجب پر اپنی اپنی جگہ عمل ہو اور نہ قرآن کے خاص اور عام کی قطعیت پر حرف آئے اور نہ ہی اخبار احاد صحیحہ کا ترک لازم آئے۔

سنت کا سنت سے باہمی تعارض

جس طرح آیات قرانی کے باہمی تعارض کے رفع کے اصول ہیں اسی طرح سنت کے سنت سے باہمی تعارض کے رفع کے بھی وہی اصول ہیں ۔ سب سے پہلے نسخ پھر ترجیح اور پھر جمع و توفیق اور اگر تینوں طریقوں سے تعارض رفع نہ ہو سکے تو پھر دونوں برابر کی باہم متعارض احادیث ساقط ہو جائیں گی اور ان سے کم رتبہ کی دلیل کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں :

”وکذلک ان وقع التعارض بین السنتین ولم یعرف التاریخ فانه یصار الی مابعد السنة فیما یکون حجة فی حکم الحادثة ، وذلک قول الصحابی او القیاس الصحیح علی ما بینا من قبل فی الترتیب فی الحجج الشرعیة، لان عند المعارضة یتعذر العمل بالمتعارضین ، ففی حکم العمل یجعل ذلک کالمعدوم اصلا“(۵۸)

”اور اسی طرح جب دو سنتوں میں تعارض واقع ہو جائے اور تاریخ ورود کا پتہ نہ چلے تو اس سنت کے بعد اس کی طرف لوٹایا جائے گا جو اس حادثہ کے حکم کے لئے حجت ہو گی اور یہ قول صحابی اور قیاس صحیح ہے جیسا کہ ہم نے دلائل شرعیہ کی ترتیب میں اس سے قبل بیان کیا ہے چونکہ معارضہ کے نتیجے میں دو متعارض نصوص پر عمل ممکن نہیں رہتا اس لئے معارضہ، حکم کے معاملہ میں ان دونوں نصوص کو معدوم کی طرح کر دیتا ہے۔“

علامہ عبدالعزیز بخاریؒ اصول بزدوی کی شرح میں فرماتے ہیں۔

”وان کان بین السنتین وجب المصیر الی ما بعد السنة مما یمکن به اثبات حکم الحادثة ، وذلک نوعان: اقوال الصحابة والقیاس، ثم عند من اوجب تقلید الصحابی مطلقا فیما یدرک بالقیاس وفیما لا یدرک به وجب المصیر الی اقوالهم اولا فان لم یوجد فالی القیاس، ویویده ما ذکر الشیخ فی (شرح التقویم) حکم المعارضة هو انه اذا وقع التعارض بین آیتین فالمیل الی السنة واجب وان وقع التعارض بین سنتین فالمیل الی اقوال

الصحابة وان وقع بين اقوال الصحابه فالميل الى القياس ولا تعارض بين القياس وبين قول الصحابی" (۵۹)

''اور اگر دو سنتوں کے درمیان تعارض ہو تو سنت کے بعد جو حجت ہے اس کی طرف لوٹانا واجب ہے تا کہ اس کے ذریعے حکم حادثہ کا اثبات ہو سکے اور وہ دو طرح کے ہیں اقوال صحابہ اور قیاس۔ پھر جس کے نزدیک تقلید صحابی مطلقاً واجب ہے چاہے قول صحابی مدرک بالقیاس ہو یا مدرک بالقیاس نہ ہو، ان کے نزدیک اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا پھر اقوال صحابی نہ ملے تو قیاس کی طرف رجوع ہو گا اور اس کی تائید تنسیخ کے اس قول سے ہوتی ہے جو ''شرح التقویم'' میں ہے کہ معارضہ کا حکم یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں تعارض واقع ہو جائے تو سنت کی طرف لوٹانا واجب ہے اور جب دو سنتوں میں تعارض واقع ہو تو اقوال صحابہ کی طرف لوٹایا جائے گا اور اگر اقوال صحابہ میں تعارض ہو تو قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور قیاس اور قول صحابی میں کوئی تعارض نہیں۔''

علامہ عبدالعزیز بخاری علامہ بزدوی کی عبارت :

"وبين سنتين نوعان المصير الى القياس واقوال الصحابة رضى الله عنهم على الترتيب فى الحجج ان امكن لان الجهل بالناسخ يمنع العمل بهما وعند العجز يجب تقرير الاصول" (۶۰)

''اور اگر ممکن ہو تو دو سنتوں کے درمیان تعارض کی صورت میں دلائل کی ترتیب کے مطابق، قیاس و اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ ناسخ و منسوخ کا عدم علم ان دونوں پر عمل سے روک دیتا ہے۔ معارضہ کے باعث، عجز کی صورت میں تقریر الاصول واجب ہے۔''

کی شرح میں فرماتے ہیں:

"یعنی عند العجز عن المصیر الی دلیل آخر علی الترتیب المذکور بان لم یوجد بعد النصین المتعارضین دلیل آخر یعمل به او یوجد التعارض فی الجمیع یجب تقریر الاصول ای یجب العمل بالاصل فی جمیع ما یتعلق بالنصین کما سیجیء بیانه ،فصار الحاصل ان حکم المعارضة نوعان: المصیر الی ما بعد المتعارضین من الدلیل ان امکن، وتقریر الاصول ان لم یمکن ثم فی النوع الاول ان کان التعارض بین آیتین فالمصیر الی السنة وان کان بین سنتین فنوعان المصیر الی القیاس والی اقوال الصحابة وان جعلت المصیر الی اقوال الصحابة والقیاس نوعاواحدا وتقریر الاصول عند العجز نوعا آخر فله وجه وبالجملة فی هذا الکلام نوع اشتباه ولم یتضح لی سره، ثم المصیر الی السنة فی تعارض الآیتین والمصیر الی اقوال الصحابة والقیاس فی تعارض السنتین انما یجب اذا کان التساوی ثابتا فی عدد الحجج بان کان من کل جانب واحد او اکثر فان کان من جانب دلیل واحد ومن جانب دلیلان فاختلف فیه فقال بعضهم: ان احد الدلیلین یسقط بالتعارض والدلیل الآخر الذی سلم عن المعارضة یتمسک به ولا یجب المصیر الی ما بعده من الدلائل،و عند بعضهم لا عبرة لکثرة العدد وقلته فی التعارض" (۱۲۱)

"مذکورہ ترتیب کے مطابق' دوسری دلیل کی طرف لوٹنے سے عجز کی

صورت میں، اگر متعارض نصوص کے رفع تعارض کے لئے کوئی اور دلیل نہ ہو جس پر عمل کیا جاسکے یا سب ہی میں تعارض پایا جائے تو تقریر الاصول پر عمل واجب ہوگا۔ یعنی دونوں نصوں کی اصل پر عمل کیا جائے گا جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ حاصل یہ ہے کہ حکم معارضہ کی دو انواع ہیں۔ اگر ممکن ہو تو دو متعارض دلیلوں کے بعد کی طرف رجوع کیا ائے اور اگر ممکن نہ ہو تو تقریر الاصول پر عمل ہوگا۔ پھر نوع اول میں اگر دو آیتوں میں تعارض ہو تو سنت کی طرف رجوع ہوگا اور اگر دو سنتوں میں تعارض ہو تو اس کی دو انواع ہیں قیاس و اقوال صحابہ، اقوال صحابہ و قیاس ایک ہی نوع ہیں، دوسری نوع عجز کی صورت میں تقریر الاصول ہے اس کی وجہ ہے۔ اور اس کلام میں اشتباہ ہے اور مجھ پر اس کا راز ظاہر نہیں ہوا پھر دو آیتوں کے تعارض کی صورت میں سنت کی طرف لوٹایا جائے گا اور دو سنتوں میں تعارض کی صورت میں اقوال صحابہ و قیاس کی طرف لوٹایا جاے گا ، اگر دلائل کی تعداد میں برابری ہو تو وہ اس طرح کہ دونوں طرف ایک ہی دلیل یا زیادہ دلیلیں ہوں اور اگر کسی ایک جانب ایک دلیل اور دوسری طرف دو دلیلیں ہوں تو اس کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے کہا اگر دو دلائل معارضہ کے باعث ساقط ہو جائیں اور ایک اور دلیل معارضہ سے سالم ہو تو اس سے تمسک ضروری ہے اور اس کے بعد کی حجت شرعی کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا لیکن بعض کے نزدیک تعارض میں کثرتِ وقلت عدد کا اعتبار نہیں۔''

علامہ بخاری دوسنتوں کے درمیانی تعارض کی مثال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

ونظير التعارض بين السنتين والمصير الى القياس ما روى

النعمان بن بشير رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی صلاة الکسوف کما تصلون رکعة وسجدتین وماروت عائشة رضی الله عنها انه صلاها رکعتین باربع رکوعات واربع سجدات فانهما لما تعارضا صرنا الی القیاس وهو الاعتبار بسائر الصلوات" (۶۲)

''دوسنتوں کے درمیان تعارض اور قیاس کی طرف لوٹانے کی مثال یہ ہے کہ نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے صلاۃ کسوف پڑھی جیسا کہ تم رکعت پڑھتے ہو دو سجدوں کے ساتھ۔ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے نبی ﷺ نے دو رکعتیں چار رکوعات اور چار سجدات سے پڑھائیں۔ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو گیا تو ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا اور وہ یہ ہے کہ دیگر نمازوں کا اعتبار کیا جائے۔''

علامہ نسفیؒ ''المنار'' میں فخر الاسلام کے اتباع ہی میں دوسنتوں کے باہمی تعارض کے رفع کا حکم بیان فرماتے ہیں اور ملا جیون اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

"(وبین السنتین المصیر الی اقوال الصحابة او القیاس) هکذا ذکر فخر الاسلام بکلمة ،او فلا یفهم الترتیب بینهما وقیل اقوال الصحابة مقدمة علی القیاس سواء کان فیما یدرک بالقیاس ، او لا،وقیل : القیاس مقدم مطلقاً"

وقیل فی التطبیق: ان اقوال الصحابة مقدمة فیما لا یدرک بالقیاس، والقیاس مقدم فیما یدرک به، مثاله ما روی ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی صلاة الکسوف رکعتین کل رکعة برکوع وسجدتین ، وروت عائشه رضی الله عنها انه علیه

السلام صلاها باربع رکوعات واربع سجدات فیتعارضان ، فیصار الی القیاس بعده وهو الاعتبار بسائر الصلوات "(۶۳)

''......اس طرح فخر الاسلام نے ایک کلمہ ذکر فرمایا۔ اس سے ان دونوں کی ترتیب نہ سمجھی جائے اور کہا کہ اقوال صحابہ قیاس سے پہلے ہیں چاہے اقوال صحابہ مدرک بالقیاس ہوں یا مدرک بالقیاس نہ ہوں اور کہا گیا ''قیاس علی الاطلاق مقدم ہے۔'' اور تطبیق میں کہا گیا کہ اقوال صحابہ اس مسئلہ میں مقدم ہیں جو مدرک بالقیاس نہیں ہے اور قیاس ان میں مقدم ہے جو مدرک بالقیاس ہیں اس کی مثال یہ روایت ہے نبی ﷺ نے صلاۃ کسوف دو رکعتیں پڑھائیں اور ہر رکعت میں رکوع اور دو سجدے کئے اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے صلاۃ کسوف ۴ رکوعات اور ۴ سجدات کے ساتھ پڑھائی پس دونوں میں تعارض ہو گیا تو قیاس کی طرف لوٹایا گیا جو اس کے بعد ہے اور قیاس یہ ہے کہ دیگر نمازوں کا اعتبار کیا جائے گا۔''

مصادر ومراجع

۱۔ اصول بزدوی، ۲۰۰،

۲۔ کشف الاسرار، ۱۱۸/۳

۳۔ اصول سرخسی، ۱۴/۲

۴۔ کشف الاسرار، شرح المصنف المنار، ۸۸/۲

۵۔ المستصفی، ۳۷۶

۶۔ مفردات، ۵۵۹

۷۔ القرآن: ۲۲۴/۲

۸۔ ایضاً، ۳۱/۲

۹۔ لسان العرب، ۱۶۷/۷

۱۰۔ التعارض والترجیح بین الادلۃ الشرعیۃ، ۱۴/۱

۱۱۔ اصول بزدوی، ۲۰۰

۱۲۔ اصول سرخسی، ۴/۲

۱۳۔ الحاشیۃ لمولانا یعقوب البنانی، ۳۱۲

۱۴۔ القرآن، ۲۴/۴۶

۱۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔

لسان العرب ۷ مادۃ "عرض"، مفردات الامام راغب، ۵۶۰۔۵۵۹

التعارض والترجیح بین الادلۃ الشرعیۃ، ۱۷۔۱۵

۱۶۔ اصول سرخسی، ۱۴/۲

۱۷۔ کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، ۴۷۳/۱

۱۸۔ اصول الفقہ، ۳۴۸

۱۹۔ اصول الفقہ الاسلامی، ۱۱۷۳/۲

۲۰۔ القرآن، ۸۲/۴

۲۱۔ ایضاً، ۲۴۰/۲

۲۲۔ ایضاً، ۲/۲۴۳
۲۳۔ ایضاً،
۲۴۔ ایضاً، ۴/۶۵
۲۵۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۲۳۰۷۔۲/۲۷۶،۲۷۷
۲۶۔ القرآن، ۴/۲۴
۲۷۔ ایضاً، ۴/۳
۲۸۔ کشف الاسرار، ۱/۷۶
۲۹۔ اصول سرخسی، ۱/۱۸۰
۳۰۔ کشف الاسرار، ۱/۷۸
۳۱۔ سنن ابی داؤد، باب الطہارۃ، حدیث نمبر ۲۹۷، ۱/۱۲۵؛
ترمذی، باب الطہارۃ، حدیث نمبر ۱۲۶، ۱/۲۲۰،
ابن ماجہ، باب الطہارہ، حدیث نمبر ۶۲۵، ۱/۲۰۴
۳۲۔ کشف الاسرار، ۱/۷۸،۷۹
۳۳۔ القرآن، ۴/۲۴
۳۴۔ ایضاً، ۳۳/۵۲
۳۵۔ ایضاً، ۶۵/۲
۳۶۔ ایضاً، ۲۴/۴
۳۷۔ شرح نور الانوار، ۱/۲۱۳
۳۸۔ اصول بزدوی، ۱۱۷
۳۹۔ کشف الاسرار، ۲/۳۱۴،۳۱۵
۴۰۔ اصول بزدوی، ۱۲۰
۴۱۔ کشف الاسرار، ۲/۳۳۰
۴۲۔ کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار، ۱/۳۸۵
۴۳۔ شرح نور الانوار، ۱/۳۸۵۔۳۸۶
۴۴۔ القرآن، ۳/۱۳۰
۴۵۔ ایضاً، ۲/۲۷۹
۴۶۔ ایضاً، ۲/۲۳۴
۴۷۔ ایضاً، ۶۵/۴
۴۸۔ اصول سرخسی، ۱/۱۵۰
۴۹۔ الوجیز فی اصول الفقہ، ۳۹۷

۵۰۔ ایضاً، ۳۹۷۔۳۹۸

۵۱۔ اصول بزدوی، ۲۰۰

۵۲۔ کشف الاسرار، ۳/۱۲۱

۵۳۔ اصول سرخسی، ۲/۱۵

۵۴۔ القرآن، ۷۳/۲۰

۵۵۔ ایضاً، ۷/۲۰۴

۵۶۔ شرح نور الانوار، ۲/۸۷۔۸۸

۵۷۔ القرآن، ۲/۱۸۰

۵۸۔ اصول سرخسی، ۲/۱۵

۵۹۔ کشف الاسرار، ۳/۱۲۱

۶۰۔ اصول بزدوی، ۲۰۰

۶۱۔ کشف الاسرار، ۳/۱۲۲

۶۲۔ ایضاً، ۳/۱۲۲۔۱۲۳

۶۳۔ شرح نور الانوار، ۲/۸۸۔۸۹

کتابیات

القرآن

۱۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید قزوینی، سنن ابن ماجہ، بیروت، احیاء التراث العربیۃ، (س۔ن)

۲۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، جمال الدین، لسان العرب، قم، نشر ادب الحوزہ، ۱۴۰۵ھ

۳۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، بیروت، دارالفکر، ۱۹۹۴ء

۴۔ بخاری، عبدالعزیز بن احمد، کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی، بیروت، دارالکتب العلمیہ، طبع اول، ۱۹۹۷ء

۵۔ برزنجی، عبداللطیف، عبداللہ عزیز، التعارض والترجیح بین الادلۃ الشرعیۃ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، طبع اول ۱۹۹۳ء

۶۔ بزدوی، علی بن محمد، فخر الاسلام، اصول بزدوی، کراچی، میر محمد کتب خانہ (س۔ن)

۷۔ البنانی، مولوی، محمد یعقوب، الحاشیۃ لمولانا محمد یعقوب البنانی المشہور لمولوی الحسامی، پشاور، مکتبہ حقانیہ، (س۔ن)

۸۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسی، الجامع الصحیح وھو سنن الترمذی، بیروت، داراحیاء التراث العربیۃ، ۱۹۹۵ء

۹۔ تھانوی، محمد علی، کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، تحقیق (ڈاکٹر علی دحروج، ڈاکٹر عبداللہ خالدی، ڈاکٹر جارج زیناتی)
مکتبہ لبنان، طبع اول ۱۹۹۶ء

۱۰۔ خضری، محمد، بک، اصول الفقہ، بیروت، دارالمعرفۃ، طبع اول، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء

۱۱۔ الزحیلی، ڈاکٹر وھبہ، اصول الفقہ الاسلامی، طہران، داراحسان، طبع اول، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء

۱۲۔ زیدان، عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ الاسلامی، لاہور، فاران اکیڈمی، طبع سوم (س۔ن)

۱۳۔ سرخسی، محمد بن احمد، اصول السرخسی، تحقیق ابوالوفاء افغانی، لاہور، دار المعارف النعمانیہ، طبع اول، ۱۹۸۱ء

۱۴۔ ملا جیون، شیخ احمد، شرح نورالانوار علی المنار مع کشف الاسرار علی المنار، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، طبع اول ۱۹۸۶ء

۱۵۔ نسفی، عبداللہ بن احمد، کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، طبع اول ۱۹۸۶ء

۱۶۔ نسفی، عبداللہ بن احمد، المنار مع کشف الاسرار شرح المصنف، بیروت، دارالکتب العلمیہ، طبع اول، ۱۹۸۶ء